ثناواللہ ثنا کی شاعری میں روایتی پہلو

ابصار عالم
اسسٹینٹ پروفیسر، شعبۂ معاشیات
ایل۔ا۔این۔ایم۔یو، دربھنگہ

ملخص

دورحاضر کے نوجوان شاعروں میں بہت سے نام ہیں جن کی شاعری منظرعام پر آچکی ہے۔ان میں سے کچھ نے تو اپنی شاعری کا لوہا بھی منوالیا ہے۔علی اکبر ناطق، فرحت عباس شاہ اور پروین شاکر جیسے نام پچھلے کچھ دہائی میں اردو شاعری کو نئی نوعیت بخشی۔یہ میری حیثیت تو نہیں کہ میں کسی کی شاعری پر تنقیدی جائیزہ پیش کروں۔لیکن اپنے تاثرات کا اظہار کرنا میرے نزدیک ایک ادبی حق ہے۔

اُڑان سے آگے ثنا صاحب کا پہلا مجموعہ ہے۔ثنا صاحب میرے استاد ہیں۔میں ان کی صلاحیتوں سے آج تک استفادہ حاصل کررہا ہوں۔میرے لئے یہ بہت مشکل بات ہے کہ میں ان کی شاعری پر کوئی تبصیرہ پیش کروں۔ساتھ ہی میں اس دسترستی کو اپنے استاد کا خود پر حق بھی سمجھتا ہوں۔واضح ہو کہ میں علم معاشیات کا طالب علم ہوں اور مجھے شاعری سے بہت محبت ہے۔

شاعری نہ صرف ایک ادبی صنف ہے بلکہ شاعری ادب کا وہ پہلو ہے جس نے زمانہ قدیم سے آج تک کئی ادبی شاہ کاروں کو جنم دیا ہے۔عالمی ادب میں شاعری کا مقام جاوداں ہے۔اردو شاعری کے بہت سے روپ ہیں۔اور اردو شاعری میں غزل کو جو مقام حاصل ہے وہ اس

کے مقبولیت سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مذید اگر غزل کا روپ کلاسیکل ہوتو اس کی مقبولیت اور بڑھ جاتی ہے۔ یا یوں کہیں کہ غزل کا کلاسکی روپ بھی جادواں ہے۔ جس کا روایتی پہلو دن بہ دن کڑوٹ بدل کر غزل کو اور بھی دلچسپ بنا کر لوگوں کو مسحور کر رہا ہے۔

جون الیا کی نظر میں شاعری کے اندر نغمگی کا ہونا لازم ہے۔ انہوں نے اپنے مجموعہ ''شاید کے'' نیاز مندانہ میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اپنے کسی مجموعہ کے دیباچے میں پروین شاکر نے شاعری کو اپنے دل کی آواز سے منصوب کیا ہے۔ ثنا صاحب کی غزلوں میں جون صاحب کی بات کھلی کتاب کی طرح موجود ملتی ہے اور ان کی غزلیں نغمگی کی موجودگی سے اور بھی لطیف معلوم پڑتی ہے۔ حالانکہ پروین شاکر کی ہی طرح ثنا صاحب بھی اپنی شاعری کو دل کی آواز سے منسوب کیا ہے اور انہیں کی طرح ناقدین کے تنقید سے بے پرواہی کا بھی اظہار کیا ہے۔ اپنے مجموعہ ''اڑان سے آگے'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اپنے دل کی بات کو منظّم طور پر پیش کرنے کے شوق کی تسکین کے لے شعر کہا ہوں''

اور خوداعتمادی کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''شعر کہتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ ناقدین ان کے اشعار کو کس زمرے میں رکھیں گے''۔ میں اس بات سے پوری طرح اتفاق رکھتا ہوں کہ یقیناً شعر کہتے وقت ذہن میں ناقدین کا زرا بھی خیال شعر گوئی کی کیفیت میں خلل پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس بات سے بالکل اتفاق نہیں رکھتا کہ شعر بس کہی جائے اشعار جو دل کی آواز ہے اپنے شعری روایات کو زندہ رکھتے ہوئے کچھ نئے پہلو کو ضرور اجاگر کرے۔ اگر نیا پن نہ ہو تو شاعری کو ادب کا حصہ بنانا بہت مشکل ہے۔ میرا جی نے چارس بادلیٹر کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے شاعری کے اندر مسلسل نیا پن پر اپنے تصورات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''نئے موضوعات سخن، نیا لہجہ، نیا انداز بیان اور نئی زبان'' باولیڑ کی شاعری کے اندر پائے جانے والی کئی باتیں تھی۔ اور دوسری جگہ چارس باولیڑ کے نیا پن کو فرانسسی شاعری کے لئے میل کا پتھر مانتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب اردو شاعری میں لکھنوی تصنع، روزمرہ کا جنون، ریایت لفظی اور اسی قبیل کی کچھ اور باتیں روحِ شعر و ادب کو بے جان کر دیتی ہے تو افق پر غالب کا تخیل نمودار ہوتا ہے اور نئی باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اپنے زمانے میں اُن نئی باتوں کا رواج نہیں ہوتا لیکن وہ پتے کی بات کہتا ہوا چلا جاتا ہے۔

ے بقدر ذوق نہیں ظرف تنگنائے غزل

اور پھر حالی اور آزاد کی آمد سے بیان کے لیے نظم کی وسعت کا رواج ہو جاتا ہے۔ نیچرل شاعری اور نظم نگاری رائج تو ہو جاتی ہے لیکن پھر اس کا ابتدائی زمانہ گزرنے پر خدشہ پیدا ہوتا کہ کہیں یہ نئی وسعت جلدی محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اسی خدشے کو دور کرنے کے لئے اقبال جیسی شخصیت اس دنیا میں آتی ہے اور اپنی بانگ درا سے یہ بتا جاتی ہے کہ قافلہ کے مسافروں کو یہ چاہئے، کہ سستانے والی منزلوں میں سے ہی کسی کو آخری منزل مقصود نہ سمجھ لیں''۔

میراجی کا یہ تفصیلی جائزہ شاعری میں مسلسل نئے پن کی طرف آواز دیتے نظر آرہے ہیں۔ روایتی پہلو کو اپناتے ہوئے وہ روایتوں میں نئے پہلو کو ڈالنا ادب کا اہم جز ہے۔ اردو شاعری کی اپنی روایات ہیں پروفیسر ابوالکلام قاسمی تنقید کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

''گزشتہ دو تین دہائیوں میں بعض مخصوص اصطلاحات کی تکرار، دوٹوک بات کر جانے کی حوصلے کی کمی اور بعض ادبی میلانات کی انتہا پسندانہ تقلید نے اسے ایہام، ژولیدگی اور لفظیات اور اصطلاحات کے گورکھ دھندے میں الجھا سا دیا اور محدود کر کے رکھ دیا''۔

کچھ حد تک اردو شاعری پر بھی یہ بات صحیح ثابت ہوتی ہے۔ شاعر اپنی شعری روایات سے پرے ہو کر شاعری نہیں کر سکتا۔ اگر شعری روایات کی پابندیوں کے ساتھ شعر کہی جائے تو

روایات میں نیا پن ہونے کی کوشش کے امکانات بہت زیادہ رہتے ہیں بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر شعر میں اپنے شعری روایات کا فقدان ہو تو سمجھے اس میں ادبی روح کا فقدان ہے۔

ثنا صاحب کی غزل کو میں پہلی نظر میں اردو شعری روایات کا پابند پاتا ہوں۔ان کے مجموعے کی پہلی غزل کا پہلا شعر اس بات کا ثبوت ہے۔

خطا کرتا ہے کوئی اور پاتا ہے سزا کوئی
ہمارے مضمون کی یا یہ بھی ہے ادا کوئی

اردو غزل کا یہ رنگ اور روپ کلاسکی ہے۔خاص کر منصف،اگر شاعر کے نزدیک ایک روایتی محبوب ہو تو اپنے ایک شعر میں امیر قزال باش کہتے ہیں:

اسی کا شہر ،وہی مدعی، وہی منصف
ہمیں یقیں تھا، سارا قصور نکلے گا

اردو شاعری کا یہ رنگ انتہائی خوبصورت ہے جو کلاسکی شعرا کے یہاں ملتا ہے۔غزل انہیں روایتوں میں ایک بہت عزیز اور خوبصورت روایت ہے محبوب سے سوال و جواب کرنا ثنا صاحب نے اپنی شاعری میں اس روایت کو بہت خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دیتے ہیں وہ سنا ہے جوابات خاص خاص
دیکھیں گے ہم بھی کر کے سوالات خاص خاص

اردو غزل کا محبوب کی آنکھوں سے بہت خوبصورت رشتہ ہے مقبول و ممتاز شاعروں نے آنکھوں کو بہت روایتی انداز میں کئی اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا ہے۔آنکھوں کو شراب خانہ، آنکھوں کو جہانِ دیدہ یا آنکھوں کو ایک اعضائے گفتگو کے طور پر روایتی شاعری میں پیش کیا گیا

ہے۔انہیں روایت کو زندہ رکھتے ہوئے ثنا صاحب فرماتے ہیں:

اس کی آنکھوں نے کہہ دیا سب کچھ
کیا ہے اب اس بیان سے آگے
تم ہو کہ نگاہوں سے کرشمات کرو ہو
ہم ہیں کہ کوئی کام بنائے نہ بنے ہیں
اس کے ہونٹوں پہ کبھی آیا جو اقرار نہیں
اس کی آنکھوں میں بھی دیکھا ہے انکار نہیں

غرض اعضائے گفتگو میں آنکھوں، کو جو مقام اردو ادب نے دیا ہے اس کے دامن پکڑتے ہوئے کچھ نئے پہلو کو بھی اجاگر کرنا ضروری ہے۔لب، زبان، آنکھ اور آنسو یہ سبھی گفتگو کرتے ہیں۔اپنے ایک شعر میں احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں:

رونا بھی تو طرز گفتگو ہے
آنسو روکے تو لب کھولوں

شعری روایت میں نئے رنگ ڈھنگ کو جوڑنا شاعری کا اہم حصہ ہے اور ادب کا تقاضہ بھی۔ثنا صاحب اس روایت میں بھی ایک عمدہ کوشش کی ہے۔

آنسو ں سے زندگی کے گیت جب لکھنے لگا
لوگ یہ کہنے لگے دیوان روشن ہوگیا
غالب کا ایک مشہور شعر

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

رونا انسان کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔غمزدہ انسان جب تڑپ کر فریاد کرتا ہے تو اس کے الفاظ کا وزن دو بالا ہو جاتا ہے۔شاعری میں اس انسانی رویہ کو بڑا سراہا گیا ہے۔اپنے ایک شعر میں ثنا صاحب بھی اس انسانی فطرت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

دل سے اشکوں نے بھی دھل دیئے عصیائے غبار
سر ترے در پہ جو ہم اپنا جھکانے نکلے

اُڑان سے آگے ثنا صاحب کے غزلوں کا مجموعہ ہے۔ بنیادی طور پر وہ غزلوں میں طبع آزمائی کرتے نظر آرہے ہیں۔کم سے کم موجودہ مجموعہ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ان کی غزلوں میں اردو شعری روایات جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کے ساتھ ساتھ ادبی فنی محاسن بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

آنکھوں کو آبشار کیا ہے کبھی کبھی
یوں ان کا انتظار کیا ہے کبھی کبھی
چھپ چھپ کے دیکھنے تو سر آئینہ انہیں
خود کو گناہ گار کیا ہے کبھی کبھی
میں نے سمیٹ کر ترے حسن و جمال کو
غزلوں کو شاہ کار کیا ہے کبھی کبھی

دل میں آنا پسند کیجئے گا
غم اٹھانا پسند کیجئے گا
منتظر ہیں سماعتیں کب سے

کچھ سنانا پسند کیجئے گا
اپنے بیمار پر زرا سا بھی
رہم کھانا پسند کیجئے گا
ایسے موسم میں میری پلکوں کا
شامیانہ پسند کیجئے گا

روایتی تشبیہات، کفایتِ لفظی اور آسان بیانی کی یہ غزل ایک عمدہ مثال ہے۔

شاعری نہ صرف کسی انسان کے جذبات کی بھرپور ترجمانی ہے بلکہ شاعری شاعر کے فطرت کی ایک قدرتی عکاسی بھی ہے۔شاید ہی کوئی شاعر اردو میں ملے جو اپنے فطرت اور زندگی سے ہٹ کر شاعری کی ہو۔میں ثنا صاحب کو جتنا جانتا ہوں وہ مجھے نیک دین دار اور سیدھے انسان نظر آے ہیں۔ان کی طرز زندگی بہت سادہ ہے۔پنچ وقتہ نماز کے پابند اور مطالعے کے ساتھ جڑے رہنے والے میں سے ہیں۔ان کی زندگی کا سادہ پن ان کی شاعری میں بہ خوبی نظر آتی ہے۔

یہاں یہ بات پیش کرنا ضروری ہے کہ ادبی شاہ کار مذہبی پابندیوں کے ساتھ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔اس کی مثال کلاسکل شعرا کے ساتھ جدید شعرا بھی رہے ہیں۔مسدس حالی، اقبال کی غزلیں اور نظموں نے اردو شاعری کو ایک نئی نوعیت بخشی۔میں یہ امید کرتا ہوں کے آنے والے وقت میں ثنا صاحب کی شاعری میں وہ رنگ اور طرز دیکھنے کو ملے گا جو ادب کے لیے عمدہ شاعری ہوگی۔ان کے اس شعر کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں:

خود اپنے آپ سے ہوتی رہی ہے جنگ مری
خود اپنے آپ کو رکھتا رہا نشانے پر